گفتنی ها

انتقاد اور تنقید پذیری کی اہمیت

سید رمیز الحسن موسوی *

srhm2000@yahoo.com

دین اسلام ایک جامع آئین ہے جس کے تمام قوانین اور اُصول انسانی فطرت کو مد نظر رکھ کر وضع کئے گئے ہیں جن کا اولین مقصد انسان کا روحانی ارتقاء اور قرب الٰہی کی منزلیں طے کرنا ہے۔اس لئے جو چیز بھی انسان کے اس مقصد کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے،اسلام اس کا سد باب کرتا ہے۔انسان طبعًا خود پسند واقع ہوا ہے اور وہ اپنی انانیت کو زیادہ اہمیت دیتا ہے چونکہ حب ذات انسان کے نفس کی حفاظت کے لئے ضروری ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو طبعًا خود پسند خلق فرمایا ہے،لیکن اس کی یہ خود پسندی اور انانیت اگر اُس کے معنوی ارتقااور روحانی عروج کی راہ میں سد راہ بنے تو اس کا کو معتدل کرنا بھی اسلام کی نظر میں ضروری ہے۔انسان خود اپنے عیوب سے آگاہ نہیں ہوتا جب تک کوئی دوسرا اُسے متوجہ نہ کرے۔اسی لئے اسلام میں مثبت تنقید اور مؤمن بھائیوں کو اُن کے عیوب اور کمزوریوں سے آگاہ کرنا قابل قدر سمجھا جاتا ہے جیسا کہ حدیث کے الفاظ میں بھی مؤمن کو مؤمن کا آئینہ قرار دیا گیا ہے یعنی جس طرح آئینہ انسان

* ۔ مدیر مجلّہ سہ ماہی "نور معرفت" نورالہدیٰ مرکز تحقیقات (نمت)، بھارہ کہو، اسلام آباد۔

کے عیوب اُس پر ظاہر کرتا ہے اسی طرح ایک حقیقی مؤمن دوسرے مؤمن کو تذکر اور مثبت تنقید کے ذریعے عیوب سے بچاتا ہے۔

لغت میں بھی انتقاد کا مطلب اچھے اور بُرے کی تمیز اور اُن کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ہے۔''المنجد'' کے مطابق نقد درھم سے مراد یہ ہے کہ اُن کو ایک دوسرے سے جدا کرکے اچھی طرح دیکھا جائے تاکہ اُن میں سے کھرے کھوٹے کو پہچانا جاسکے اور نقد کلام سے مراد کلام کے عیوب اور محاسن کو ظاہر کرنا ہے۔

بہر حال اہل لغت کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ انتقاد اور تنقید ایک ایسے اصلاحی کام کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو آلودگی سے پاک کرنے اور اُس چیز کو بُرائی سے بچانے کی نیت سے انجام پاتا ہے یا کسی شخص کی فطرت کو ناخالصی وملاوٹ سے نکال کر خلوص اور اصل فطرت کی طرف لوٹانے کا نام تنقید ہے۔

البتہ تنقید اور عیب جوئی میں فرق کرنا ضروری ہے۔اسلام نے مؤمن کی عیب جوئی سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں :''جو شخص اپنے آپ کو دوسروں کے بارے میں مشغول رکھے (یعنی اُن کے عیوب کی تلاش میں رہے) وہ اپنے آپ کو تاریکیوں میں سرگردان اور ہلاکتوں میں ڈال دیتا ہے اور شیاطین ،اُسے طغیان وتجاوز کی طرف لے جاتے ہیں اور بُرائیوں کو اُس کی نظر میں اچھا بنادیتے ہیں''۔

درحقیقت عیب جوئی اور تنقید ہر دو مفہوم دوسروں کے عیوب کی تلاش کی وجہ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہیں فقط دو چیزوں کی وجہ سے ان میں فرق کیا جاسکتا ہے :

۱۔عیب جوئی کا سرچشمہ ،حسد ،انتقام جوئی ،خود پسندی اور نفس کی خباثت ہے ،لیکن انتقاد ایک طرح کی انسان دوستی ،احساسِ انسانیت اور دوسروں کے بارے میں ایمانداری کا جذبہ ہے۔

۲۔عیب جوئی سے عیب جو انسان کا مقصد دوسروں کو اذیت وآزار پہنچانا ،اُن کی شخصیت کی تخریب اور اپنے مد مقابل کو شکست دینا ہے جبکہ تنقید کرنے والے کا مقصد ،کسی شخص کے عیوب کو ختم کرکے اُس کی اصلاح کرنا اور اُسے کمال کی طرف لے جانا ہے۔

تنقید کے ساتھ مشابہ اُمور میں سے ایک نہی عن المنکر ہے جو اسلام کے اہم ترین واجبات میں سے ہے، البتہ ان دونوں میں بھی کچھ فرق ہیں۔جن میں سب اہم فرق یہ ہے کہ ہر نہی عن المنکر ایک قسم کا انتقاد ہی ہے لیکن ممکن ہے ایک جگہ تنقید کی جائے لیکن وہ نہی عن المنکر نہ ہو۔مثلاً جب کسی سے کوئی کام سرزد ہو جائے اور اُس کا یہ کام اُسے دوسروں کی نظروں میں گرادے اور اُس کی توہین وتحقیر کا سبب بنے اور

اس کی معاشرتی حیثیت کم ہو جائے تو اس وقت کسی شخص کی طرف سے اُسے تذکر دینا اور ہمدردی واصلاح کی نیت سے اُس پر تنقید کرنا خواہ اُس کے لئے رشد وہدایت ہی کا باعث کیوں نہ ہو، تنقید ہی کہلائے گا، اسے نہی عن المنکر نہیں کہیں گے۔

نہی عن المنکر اور انتقاد میں ایک اور اہم فرق یہ ہے کہ نہی عن المنکر شرعی پہلو رکھتا اور جو شخص نہی عن المنکر کرتا ہے وہ درحقیقت اپنا شرعی فریضہ ادا کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن انتقاد میں شرعی پہلو مد نظر نہیں ہوتا چونکہ انتقاد کرنے والا کسی شرعی حکم کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی ذاتی تشخیص اور فہم کی بنا پر ایسے موضوعات پر بھی تنقید کرتا ہے جن کے بارے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں ہوتا۔

بہر حال زندگی میں بعض ایسے نازک مسائل بھی ہوتے ہیں جن کے بارے میں کوئی واضح شرعی حکم موجود نہیں ہوتا لیکن اُن سے معمولی سی غفلت بھی بڑی مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔ لہٰذا ایسے مسائل میں اپنے خاص سلیقے اور رائے پر عمل کرنا اور خود پسندی کا مظاہرہ کرنا اور اپنی ہی سوچ وفکر کو محور بنا کر کام کرنا، شرعاً وعقلاً مذموم سمجھا جاتا ہے۔ روایات کے مطابق ایسے مسائل میں اجتماعی عقل اور باہمی مشاورت سے کام لینا ضروری ہے۔ (مستدرک الوسائل، ج ۲، ص ۱۶۳ ابواب احکام العشرہ، ب ۲۰)

ایسے مواقع پر روایات میں دو باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ایک تو مشاورت ہے کہ جو ہر کام شروع کرنے سے پہلے انجام پانی چاہیے تاکہ اس کام کی آفات سے بچا جاسکے۔ دوسرا تنقید پذیری ہے جو انسان کے لئے اپنے عیوب اور خامیوں سے آگاہ رہنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر انسان ہمدرد، ایماندار اور آگاہ لوگوں کی مثبت تنقیدی آراء کو کھلے دل کے ساتھ قبول کرلے اور اس پر پریشان ہونے کے بجائے خوشی کا اظہار کرے تو اس کی محبوبیت میں اضافے کے ساتھ ساتھ بہت سی مشکلات اور مصیبتوں سے بھی نجات مل سکتی ہے۔

پس تنقید اور انتقاد پذیری کا معیار عقل کی پیروی ہے لیکن جہاں کسی کے لئے واضح ہو جائے کہ تنقید کرنے والا یا مشورہ دینے والا غلطی پر ہے تو اس اسے قبول کرنا بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔ لیکن خود انتقاد پذیری کبھی فائدے سے خالی نہیں ہوتی۔ بعض اوقات مخالفین کی زبان سے تنقید سن کر بھی انسان اپنے آپ کو غلطی اور گمراہی سے بچا سکتا ہے۔

البتہ ذاتی مسائل سے زیادہ اجتماعی مسائل میں تنقید اور انتقاد پذیری کی اہمیت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ چونکہ ذاتی مسائل میں اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ مشاورت نہیں کرتا یا کسی کی تنقید کو قبول نہیں کرتا تو اس کا ضرر خود اس کے اپنے لئے ہوگا لیکن اجتماعی مسائل میں خود پسندی، انانیت اور ذاتی سلیقے اور طریقے

کو اہمیت دینا اور کسی کی تنقید کو قبول نہ کرنا بہت سی ایسی مشکلات کا پیش خیمہ بن سکتا ہے جن کا ازالہ مشکل ہوتا ہے اور ایک مستبد الرائے شخص کی وجہ سے پوری قوم و ملت یا قومی ادارہ تباہی سے دوچار ہو سکتا ہے۔

اس لئے اجتماعی اور قومی مسائل میں تنقید کے دروازے بند کر دینا اور دوسروں کی واضح غلطیوں کو دیکھنے کے باوجود منہ پر مصلحتوں کے تالے لگا دنیا کسی بھی صورت میں معقول نہیں ہے اور قوموں کے تدریجی زوال اور تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔اس وقت بحیثیت قوم ہم اسی مصیبت میں مبتلا ہیں چونکہ ہمارے اکثر قومی مسائل ومشکلات کا سبب تنقیدی ماحول نہ ہونا اور ہماری شخصیات کا انتقاد پذیری کے جذبات سے عاری ہونا ہے۔اگر کسی بھی ادارے کی کارگردگی پر تنقیدی رائے دی جائے تو فوراً اسے ذاتی دشمنی اور حسد ور قابت کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کے مثبت پہلوؤں کی طرف بالکل نہیں دیکھا جاتا۔آج ہمارے معاشرے میں تنقید کا باب بند ہونے کی وجہ سے قومی اہمیت کے حامل بہت سے ادارے زوال پذیر ہو چکے ہیں اور اہم قومی شخصیات کی صلاحیتیں ماند پڑ چکی ہیں۔اگر ہمیں زندہ قوموں کی صف میں داخل ہونا ہے تو ہمیں عقل وشرع کے اس قانون کی پیروی کرنی ہوگی جس کے تحت انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں کو پروان چڑھانے کے لئے تنقید کی کڑوی دوا پلانا ضروری ہوتی ہے۔بغیر مشاورت اور تنقید پذیری کے نہ تو کسی شخص کی ذاتی صلاحتیں نکھر سکتی ہیں اور نہ قومی واجتماعی ادارے ترقی کی منازل طے کر سکتے ہیں اور نہ اُلجھے ہوئے قومی مسائل سدھر سکتے ہیں۔البتہ جہاں تنقید پذیری ضروری ہے وہاں متنقدین کے لئے بھی عیب جوئی اور اصلاحی وتعمیری تنقید میں فرق رکھنا اور تنقید کے شرعی وعقلی آداب وحدود کی پاسداری کرنا ضروری ہے۔

تعلیم الہٰی فریضہ ہے، نہ تجارت

ہر شخص فطری طور پر علم کو دوست رکھتا ہے اور جاننا اور آگاہ ہونا اُس کی ذات میں رکھا گیا ہے۔دوسری طرف ہمارا ایمان ہے کہ اسلام دین فطرت ہے،اسی لئے اسلامی کلچر میں بھی تعلیم وتربیت کو ایک الہٰی فریضے کی حیثیت حاصل ہے اور ہر مسلمان پر ماں کی گود سے لے کر قبر تک تعلیم حاصل کرنے کو فرض

قرار دیا گیا ہے ۔اسلام میں انسان کی اہمیت علم و دانش کی وجہ سے ہے اور ہمارا دین حصول علم کو تمام لوگوں پر واجب و لازم قرار دیتا ہے: " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَة "۔

علم کی اہمیت کا ہم اس آیہ شریفہ سے بھی اندازہ کر سکتے ہیں جس میں خداوند عالم نے سب سے پہلے تعلیم کو اپنی بابرکت ذات سے موصوف کیا ہے" اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذی خَلَقَ-خَلَقَ الْإِنْسانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَ رَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنْسانَ ما لَمْ يَعْلَم "(علق:۱)

یعنی : "اس خدا کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا ہے۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی ہے اور انسان کو وہ سب کچھ بتادیا ہے جو اسے نہیں معلوم تھا۔"

علم اور تعلیم کی اس قدر اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ علم انسان کو بلندترین مرتبہ پر پہنچاتا ہے، علم انسان کے عالم ناسوت سے عالم لاہوت کی طرف پرواز اور خداتک رسائی کا ذریعہ ہے، علم ہی کے ذریعہ خدا کی معرفت اور معاد کی پہچان ہوتی ہے۔ علم و دانش کے بارے میں قرآن مجید انسان کے ضمیر سے فیصلہ چاہتے ہوئے فرماتا ہے:

"قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذينَ يَعْلَمُونَ وَ الَّذينَ لا يَعْلَمُونَ إِنَّما يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْباب " (الزمر:۹)

یعنی : "کہہ دیجئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں ان کے برابر ہو جائیں گے جو نہیں جانتے ہیں اس بات سے نصیحت صرف صاحبانِ عقل حاصل کرتے ہیں۔"

یہ واضح ہے کہ جاہل اور عالم دونوں ہر گز برابر نہیں ہو سکتا اس کی گواہی ہر سلیم الطبع انسان کا ضمیر دے گا۔ علم کی اہمیت اور قدر و قیمت کی بناپر پیغمبر اسلام ﷺ نے جنگ بدر کی فتح کے بعد حکم دیا جو بھی قیدی دس مسلمانوں کو تعلیم دے تو وہ آزاد ہے۔ یعنی وہ کافر جو اسلام کے سر سخت دشمن تھے ،اُن کے بارے میں رسول اسلام ﷺ نے حکم دیا جو بھی دس مسلمانوں کو تعلیم دے وہ بغیر ضمانت کے آزاد ہے تو اس حکم سے ہمیں علم کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام میں علم کو کس قدر اہمیت دی گئی ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا :

" لَسْتُ أُحِبُّ أَنْ أَرَى الشَّابَّ مِنْكُمْ إِلَّا غَادِياً فِي حَالَيْنِ إِمَّا عَالِماً أَوْ مُتَعَلِّماً فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَرَّطَ فَإِنْ فَرَّطَ ضَيَّعَ فَإِنْ ضَيَّعَ أَثِمَ وَإِنْ أَثِمَ سَكَنَ النَّارَ " (بحار الانوار، ج۱، ص۱۷۰)

یعنی: "میں تمہارے جوانوں کو دو حال میں پسند کرتا ہوں یا علم حاصل کرنے والے یا تعلیم دینے والے ہوں اگر ایسا نہیں ہے تو انہوں نے کوتاہی کی ہے، اور ہر کوتاہی کرنے والا عمر ضائع کرتا ہے اور عمر کو برباد کرنے والا گنہگار ہے اور گنہگار کا ٹھکانہ جہنم ہے۔"

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے نزدیک علم حاصل کرنے والا اور تعلیم دینے والا (معلم) ہر دو قابل فضیلت ہیں۔ حضرت سرور کائنات ﷺ نے فرمایا:

" يَا أَبَا ذَرٍّ الْجُلُوسُ سَاعَةً عِنْدَ مُذَاكَرَةِ الْعِلْمِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ قِيَامِ أَلْفِ لَيْلَةٍ يُصَلَّى فِي كُلِّ لَيْلَةٍ أَلْفُ رَكْعَةٍ وَ الْجُلُوسُ سَاعَةً عِنْدَ مُذَاكَرَةِ الْعِلْمِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ أَلْفِ غَزْوَةٍ وَ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ كُلِّهِ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مُذَاكَرَةُ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ كُلِّهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ يَا أَبَا ذَرٍّ الْجُلُوسُ سَاعَةً عِنْدَ مُذَاكَرَةِ الْعِلْمِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ كُلِّهِ اثْنَا عَشَرَ أَلْفَ مَرَّةٍ عَلَيْكُمْ بِمُذَاكَرَةِ الْعِلْمِ فَإِنَّ بِالْعِلْمِ تَعْرِفُونَ الْحَلَالَ مِنَ الْحَرَامِ يَا أَبَا ذَرٍّ الْجُلُوسُ سَاعَةً عِنْدَ مُذَاكَرَةِ الْعِلْمِ خَيْرٌ لَكَ مِنْ عِبَادَةِ سَنَةٍ صِيَامِ نَهَارُهَا وَ قِيَامِ لَيْلُهَا وَ النَّظَرُ إِلَى وَجْهِ الْعَالِمِ خَيْرٌ لَكَ-مِنْ-عِتْقِ أَلْفِ رَقَبَةٍ " (بحار الانوار ج۱، ص ۱۷۴)

یعنی: "اے ابوذر! علمی گفتگو میں ایک گھنٹہ رہنا، اللہ کے نزدیک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے، جس کی ہر رات میں ہزار رکعت نماز پڑھی گئی ہو اور علمی گفتگو میں ایک گھنٹہ رہنا اللہ کے نزدیک ہزار جنگوں میں شرکت کرنے سے بہتر ہے، اور ہزار بار کل قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے بہتر ہے، اے ابوذر! علمی گفتگو میں ایک گھنٹہ رہنا، اللہ کے نزدیک کل قرآن کی ۱۲ ہزار مرتبہ تلاوت کرنے سے بہتر ہے، تم پر ضروری ہے علمی گفتگو کرنا کیونکہ علم ہی کے ذریعہ حلال و حرام کی پہچان ہوتی ہے، اے ابوذر! علمی گفتگو میں ایک گھنٹہ رہنا، اللہ کے نزدیک ایک سال دن کو روزہ اور رات کو نماز کی حالت میں گزارنے سے بہتر ہے، اور عالم کے چہرہ کی زیارت کرنا ہزار غلاموں کو آزاد کرنے سے بہتر ہے۔

یہاں تمہید کے طور پر قرآن اور حدیث کی نظر میں حصول علم اور تعلیم کی فضیلت ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک یہ ایک عظیم فریضہ ہے جس پر نہ صرف ہر مسلمان کو عمل کرنا چاہیے بلکہ مسلمان معاشروں میں اس کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جانا چاہیے اور یہ اہتمام نہ فقط انفرادی سطح پر ہونا چاہیے بلکہ اجتماعی طور بھی اس کی طرف خصوصی توجہ دی جانی چاہیے۔ جیسا کہ مسلمانوں کی قدیم روایات اور تہذیب میں یہ اہتمام ضروری سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب سے علم کو فریضے کے بجائے تجارت کی حیثیت

دے دی گئی ہے اور پیسہ کمانے کا ذریعہ بنا دیا گیا ہے اور علم انسان کو انسان بنانے کے بجائے مال و دولت بنانے کی مشین بنانے کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔اس کی یہ تمام فضیلت اور اہمیت بھی ختم ہو چکی ہے۔

کسی زمانے میں دو طرح کے تعلیمی ادارے ہوا کرتے تھے ایک سرکاری اور دوسرے نجی، نجی تعلیمی ادارے بھی نیم سرکاری ہی ہوتے تھے، ان میں نصاب تعلیم اور اساتذہ کی تنخواہ تک حکومت سے آتی تھی۔ صرف عمارت اور انتظامی امور کسی فلاحی ادارے کے ہاتھ میں ہوتے تھے۔ ان اداروں کو مختلف مذاہب کے ماننے والے لوگ چلاتے تھے، لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر اعزازی طور پر اپنی خدمات کو پیش کرتے تھے، ان کا اپنا ذریعہ معاش ہوتا تھا۔ اس دور میں معلّمی ایک مقدس پیشہ سمجھا جاتا تھا اور بڑے پارسا اور ہمدرد قسم کے اساتذہ ہوتے تھے جو معلّمی کو ایک مقدس فریضہ سمجھتے تھے۔اسی طرح تعلیمی ادارے سے معاشی فائدہ اٹھانے کو معیوب سمجھا جاتا تھا اس نظام کے بھی بہت سارے مسائل تھے، لیکن کم از کم ایک بات ضرور تھی کہ وہاں خدمت کا پہلو کسی نہ کسی طور کار فرما ہوتا تھا۔ غریب امیر کی تفریق نہیں تھی بلکہ غریب طلبا خصوصی توجہ اور احترام کے حقدار ہوتے تھے۔ لیکن جب سے تعلیم کی دکانیں کھل گئیں طلبا اور اساتذہ نیز تعلیم اداروں کا نقطۂ نظر فقط مادی ہو کر رہ گیا اور طالبعلم ایک گاہک میں تبدیل ہو گیا اساتذہ پیشہ ور ماہرین تعلیم یا علم کے سوداگر اور تعلیمی ادارہ ایک سپر مارکیٹ بن گئی۔ جہاں سے استفادہ کیلئے اولین شرط جیبیں بھرنا ہے۔ غریب اور مفلس لوگوں پر اس کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں اور اب یہ دینی فریضہ فقط پیسے والے ہی ادا کر سکتے ہیں، غرباء اور نادار لوگ نہیں۔

یہ وبا کچھ اس تیزی کے ساتھ پھیلی کہ اس کے منفی اثرات کو وہ لوگ بھی محسوس نہ کر سکے جو خود صبح شام "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَة" کا درس دیتے ہیں اور جن کو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا تھا۔ تعلیم کے سلسلے میں اس مادی رجحان کی وجہ سے عام انسان کے لئے علم کے دروازے بند ہو چکے ہیں حتیٰ پاکستان جیسے ملک میں متوسط طبقے کے بچے بھی بنیادی تعلیم کی سہولیات سے محروم ہیں۔ جس کے واضح منفی اثرات پاکستان کے مسلمان معاشرے پر پڑ رہے ہیں۔ دہشت گردی سے لے کر معمولی جرائم تک میں نوجوانوں کے ملوث ہونے کا سب سے بڑا سبب تعلیم کی کمی اور جہالت ہے۔

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ایک جانب جاگیر دارانہ نظام کے باعث استحصالی طبقہ عوام کو تعلیم سے محروم رکھے ہوئے ہے تو دوسری جانب کرپشن کے ناسور نے سرکاری درسگاہوں کی حالت کو تباہ کر دیا ہے، جبکہ سیاست میں جرائم کی آمیزش نے درسگاہوں کو سیاسی اکھاڑے میں بدل دیا ہے اور نجی شعبہ میں تعلیم کو صنعت کا درجہ دیکر اس کی جس طرح سے تجارت کی جا رہی ہے، اس کی وجہ سے پڑھے لکھے

افراد میں تو اضافہ ہورہا ہے مگر تعلیم و تہذیب یافتہ افراد کی تعداد میں روز بروز کمی واقع ہوتی جارہی ہے۔یہ صورت حال پوری قوم خصوصاً ملک کے دانشور، اہل علم اور حکمران طبقے کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہے۔

اگر پاکستان جیسے مسلمان ملک میں تعلیمی نظام میں اصلاحات کا عمل نہ کیا گیا اور تعلیمی اداروں کو منفی اور گروہی سیاست، استحصالی اور کرپٹ عناصر اور تعلیم کے تاجروں سے نجات نہ دلائی گئی اور تعلیم کے ساتھ ساتھ تہذیب وتربیت کے فروغ کا اہتمام نہ کیا گیا تو مزید چند سالوں میں پاکستانی معاشرہ کو موجودہ حالات سے بھی بدتر حالات دیکھنے پڑیں گے۔

درس وتدریس پاک اور مقدس شعبہ ہے اس کے تقدس کو تاجرانہ رجحانات کی وجہ سے پامال نہیں ہونا چاہیے۔اس کو الٰہی فریضہ ہی سمجھنا چاہیے اور اُستاد اور معلم کے لئے دین اسلام نے جو احترام رکھا ہے، اُسے بحال کرنا چاہیے۔یہ ذمہ داری جہاں حکومت کی بنتی ہے وہاں یہ ذمہ داری معاشرے کے تمام طبقات خصوصاً علمائے کرام، اساتذہ، دانشور اور اہل قلم طبقے پر بھی عائد ہوتی ہے کہ وہ تعلیم کو تجارت کے بجائے ایک الٰہی فریضے کی شکل میں باقی رکھیں اور ایسے تمام رجحانات کی حوصلہ شکنی کریں جن کی وجہ سے تعلیم کو تجارت بنا کر قرآنی اور دینی تہذیب وتمدن کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جارہا ہے اور ہماری نئی نسل تعمیر انسانیت کی حامل حقیقی تعلیم کے بجائے اغیار کے پھیلائے ہوئے نام نہاد اور استعماری تعلیمی جال میں پھنستی جارہی ہے۔جس میں ہمارے نونہال مادری زبان کے بجائے اغیار کی اجنبی زبان میں تعلیم حاصل کرنے پر مجبور ہیں اور اسی سامراجی نظام تعلیم کے عوض ہمارے جیبوں کو خالی کیا جارہا ہے۔

مطالعۂ قرآن کے اساسی اصول (۲)

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین *
Sheikh.hasnain26060@gmail.com

کلیدی کلمات: قرآن فہمی، مطالعہ، اصول، ڈاکٹر سروش، سر سید احمد خان، دینی معرفت، بشری معرفت۔

خلاصہ

قرآن کریم ایک آسمانی کتاب ہے جس سے رہنمائی پانے کا پہلا اساسی اصول یہ ہے کہ قرآن انسانی فکر و عمل کی ہدایت کی کتاب ہے؛ لہٰذا اِس سے سائنسی علوم کے مسائل کا حل نکالنے اور بشری معارف ڈھونڈنے کی بجائے عملی میدان میں رہنمائی کے حصول کو ترجیح دی جائے۔ دوسرا یہ کہ قرآن فہمی کی کوششیں تنہا قرآن کے معصوم معلّمین کی رہنمائی میں نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہیں اور قرآن کا ہر وہ فہم اور ہر وہ تفسیر جو معصومین علیہم السلام کے فہم سے تضادّ رکھتا ہو، باطل اور تفسیر بہ رائی کا مصداق ہے۔

مطالعۂ قرآن کا تیسرا اساسی اصول یہ ہے کہ قرآن اپنے قاری تک اپنے مطالب پہنچانے اور ہدایت کے عمل میں بشری علوم اور معرفت کا محتاج نہیں ہے۔ بعض روشن فکر مصنّفین کے برعکس، بشری علوم میں آنے والی تبدیلیوں اور سائنس کی دنیا کے جدید انکشافات سے لازمی طور پر قرآن کے قاری اور مفسّر کی قرآن فہمی میں کوئی اساسی تبدیلی نہیں آتی۔ لہٰذا بشری علوم کی تازہ ترین معلومات سے آشنائی کو قرآن فہمی اور تفسیر کی شرط لازم قرار دینا، سراسر غلط ہے۔ ہاں! ایک قاری کے لیے قرآن کی زبان و ادبیات، نیز بعض قرآنی علوم اور قرآن کے مطالعہ اور تفسیر کے بنیادی اصولوں سے آشنا ہونا ضروری ہے۔

* ۔ محقق، استاذ فلسفہ اسلامی، ڈائریکٹر "نَمَت"، بارہ کہو، اسلام آباد۔